برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں شبلی نعمانی کا کردار

The role of Shibli Nomani in education and training of the Muslims of the subcontinent

Dr Umme Salma
Lecturer Institute of Education and Research, University, of The Punjab, Lahore
Email: Ummesalma.ier@pu.edu.pk

Abstract

In the history of India, 1857 was a revolutionary year for the complete fall of the Mughal Empire and the consolidation of British colonialism. It has been of great importance to upheaval in the national history, in the same period, the solution for the preservation and survival of Muslim civilization, science, arts, education and training was being sought in the confluence of ancient and modern education. Muslims emerge as a prominent leader for social, political, cultural, intellectual and moral reform of India. He was one of the prominent personalities of the country who not only fought hard for our political, intellectual, practical and especially educational survival and development, but remained busy throughout his life. I am still fresh today. The most important of Shibli's fair statuses is his historical status "Al-Ma'mun", "Al-Farooq", historical articles and essays and Seerat-ul-Nabi ﷺ are masterpieces of his historical efforts. He made women's education the basis of change and reform within the society, a major achievement in the context of social and practical struggle came in the form of his political thought, which changed the political attitudes of Muslims during the two decades of the beginning of the twentieth century. And played an important role in the formation of priorities.

Keywords: Revolution, Education, publications, Social Moral, political, civilization

موضوع کا تعارف:

تاریخ ہند میں 1857ء سلطنت مغلیہ کے مکمل زوال اور برطانوی استعماریت کے استحکام کا انقلاب آفرین سال تھا، انقلاب 1857ء کے اسی ہنگامہ خیز سال میں علامہ شبلی کی ولادت ہوئی انیسویں صدی کا یہ نصف آخر ہماری سیاسی، سماجی، معاشی، قومی، تعلیمی اور ملی تاریخ میں اتھل پتھل کرنے کے لئے کافی اہمیت کا حامل رہا ہے، اسی دور میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن، علوم فنون، تعلیم وتربیت کے تحفظ اور بقا کا حل قدیم وجدید تعلیم کے سنگھم میں تلاش کیا

جارہا تھا ایسے دور میں مولانا شبلی مسلمانان ہند کی معاشرتی، سیاسی تمدنی، علمی اور اخلاقی اصلاح کے لئے ایک ممتاز راہنما بن کر نمودار ہوتے ہیں

موضوع کی ضرورت واہمیت:

آپ ملک وملت کی ان قد آور شخصیات میں سے ایک تھے جنھوں نے ہماری سیاسی، فکری و عملی اور خصوصا تعلیمی بقا اور ترقی کے لئے نہ صرف جدوجہد کی بلکہ پوری زندگی ہمہ تن مصروف عمل رہے ان کے اصلاحی و تعلیمی نظریات کے نقوش ان کی تحریروں میں آج بھی تازہ ہیں۔ شبلی کی تصانیفات میں "المامون" الفاروق" تاریخی مقالات ومضامین اور سیرۃ النبی ﷺ ان کی تاریخی کاوشوں کا شاہکار ہیں۔

علامہ شبلی اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے، شبلی کا شمار جدید ہندوستان کی ان عبقریوں میں ہوتا ہے، جو ہندوستانی مسلمانوں کو تعلیمی پسماندگی سے نکالنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے روایتی تعلیمی نظام میں ایسی اصلاحات کے خواہاں تھے جو انہیں دور جدید کے تقاضوں اور حالات سے ہم آہنگ کر سکیں۔ مولانا جدید تعلیم کے حامی نہ تھے لیکن اس کی اہمیت وافادیت کا انھیں بخوبی اندازہ تھا،

ابتدائی تعارف:

مولانا شبلی کی پیدائش مئی 1857ء کو عین اس ہنگامہ خیز زمانہ میں ہوئی جو عام طور پر "غدر" کے نام سے مشہور ہے یہ بھی عجب اتفاق کہ عین اس دن ولادت ہوئی جس دن ضلع اعظم گڑھ کے باغیوں کی حمایت میں ڈسٹرکٹ جیل کے پھاٹک کو توڑ ڈالا اور بہت سے قیدیوں کو نکال لے گئے۔[1] ان کے والد شیخ حبیب اللہ ایک متمول تاجر خوش حال زمیندار اور کامیاب وکیل تھے، انہوں نے آپ کی تعلیم قدیم طرز پر کی، اساتذہ میں سب سے زیادہ مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کے علاوہ اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے آپ نے اکتساب فیض حاصل کیا، علمی اور ادبی مشغلہ اختیار کرنے سے پہلے شبلی نے یک بعد دیگرے نقل نویسی تجارت اور وکالت کی طرف توجہ کی، مگر طبعی مناسبت نہ ہونے کے سبب ان کاموں میں ان کا دل نہیں لگا بالآخر یکم فروری 1883ء میں علی گڑھ کالج میں عربی کے اسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوگئے اور اس حیثیت سے سرسید احمد کے سلسلہ رفقا میں شامل ہو کر انہیں ایک ایسا مشغلہ نصیب ہوا جو ان کی طبیعت اور صلاحیتوں کے عین مطابق تھا۔[2]

"ان کا نام شبلی رکھا گیا، جس کے معنی "شیر کا بچہ "ہے آگے چل کر ان کے نام کے ساتھ نعمانی ان کے استاذ مولانا فاروق چریا کوٹی نے بڑھا دیا امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی طرف نسبت تھی جن سے متاثر ہو کر آپ نے ان پر ایک کتاب "سیرۃ النعمان" لکھی۔"[3]

"شبلی کی زندگی میں اہم واقعات یہ ہیں، اعظم گڑھ میں ایک نیشنل سکول کا قیام (1883ء) ندوۃ العلماء کی تحریک اور ترقی حیدر آباد میں قیام (1901ء تا 1905ء)اور سر رشتہ علوم وفنون اور انجمن ترقی اردو کی نظامت (جنوری 1903ء) دارالعلوم ندوۃ کی معتمدی (1905ء تا 1913ء) الندوۃ العلماء کے رسالے کی ادارت (1904ء تا 1912ء) تغمہ مجیدی کا حاصل ہونا، پاؤں کا زخمی ہونے کا حادثہ (17 مئی 1907ء)، قانون وقف علی اولاد کی تجویز ترتیب اور دوسرے بہت سے تعلیمی اور سیاسی کارناموں کے علاوہ دارالمصنفین کی تجویز جس کے اکثر مراحل طے ہو چکے تھے کہ تاریخ 18 نومبر 1914ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔"[4]

شبلی نے سرسید کے کتب خانے سے فائدہ اٹھایا، اس کے علاوہ انہوں نے کالج کے لائق فائق انگریز استاد ڈی ڈبلیو آرنلڈ سے (جن سے انہوں نے فرانسیسی پڑھی) تحقیق وتجزیہ کا مغربی طریق سیکھا، غرض شبلی پر علی گڑھ اور سرسید کا اثر اتنا واضح ہے کہ اس کا انکار تاریخی واقعات کا انکار ہے، صحیح ہے کہ بعد میں شبلی اور سرسید کے نقطہ نظر میں کچھ اختلاف رونما ہو گیا تھا، مگر یہ اختلاف ذاتی نہ تھا اصولی قسم کا تھا درحقیقت ان کا اور سرسید کا اختلاف دو مختلف نظریوں کا اختلاف تھا دو اشخاص کی مخاصمت نہ تھی۔[5]

شبلی کی منصفانہ حیثیات میں سب سے اہم ان کی مورخانہ حیثیت "المامون" "الفاروق" "تاریخی مقالات ومضامین اور سیرۃ النبی ﷺ ان کی تاریخی کاوشوں کا شاہکار ہیں۔

"شبلی نے تنقید تاریخ میں اصول درایت اور جرح وتعدیل کے فن کا احیاء کیا، انہوں نے جہاں مسلمانوں کی تاریخ نگاری کے بعض عیوب واضح کئے ہیں وہاں یورپ کے مورخین خصوصا اسلام پر لکھنے والے مورخوں کی خامیاں بھی ظاہر کی ہیں، مگر یورپ کی علمی فیاضیوں اور مغربی علماء وفضلاء کے علمی طریقوں کے بھی معترف تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنی تصانیف میں کیا ہے"۔[6]

وہ جدید مسلم ہندوستان کے مورخین میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے مغربی علم وفضل کو خراج تحسین پیش کیا کہ جس نے اسلام کی ثقافتی اور مذہبی سرچشموں کے متعلق تحقیق وتجسس اور اسے تلاش، جمع ومرتب کیا ، مخطوطات کی تدوین کی اور مطالعہ اسلام کے لئے ایک تاریخی اور سائنٹیفک تناظر قائم کرنے کی کوشش کی۔[7]

"آپ نے ہمارے لئے کم وبیش پانچ ہزار صفحوں کا ذخیرہ ادب چھوڑا ہے یہ لٹریچر کی وہ قیمتی صنف ہے جسے آجکل اصطلاح میں "تنقیدات عالیہ" کہتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اسلام کے متعلقات میں اتنا بڑا سرمایہ اور وہ بھی اس قدر کسی زبان میں موجود نہیں، شبلی میں ایک خاص طرح کا مادہ اختراعی بھی تھا، وہ ایک ہی وقت میں اعلی درجے کے مورخ، اعلی درجے کے ناشر، اعلی درجے کے کے شاعر، غرض مشرقی زبانوں میں مختلف اصناف سخن کے پورے

مالک تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ یورپ کے مستشرقین کی طرح ان کا معیار تصنیف اتنا بلند تھا کہ میرے خیال میں سینکڑوں برس بعد بھی تصنیفات ٹکسال سے باہر نہ ہوں گی ایسا جامع حیثیات اب پیدا نہ ہو گا"۔[8]

تصنیفات:

آپ کثیر التصانیف ہیں آپ نے زندگی کے تمام شعبہ جات پر تصنیفی خدمات سرانجام دیں: مثنوی صبح امید، نواب نیر کا مرثیہ، وزیر ریاست پٹیالہ کا قصیدہ، بہاریہ قصیدہ، الجزیہ، فارسی قصیدہ، کتب خانہ اسکندریہ، اسلامی کتب خانے، بیرونی ممالک کا سفر (روداد سفر ترکی)، نظم فارسی، قومی مسدس اسلامی حکومتیں اور شفاخانے، حقوق الذمیین، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر، الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی، عبدالملک بن مروان کا قرآن مجید کو الوداع کہنا سیرۃ النبی ﷺ، الفاروق، سوانح مولانا روم، ادبی لالہ کاری، موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم مکاتیب، شاعری۔

شبلی کثیر الابعاد (ہمہ پہلو) ہمہ جہت انسان تھے یہ وصف جس رنگ میں شبلی میں ظاہر ہوتا ہے وہ نرالا ہے وہ مؤرخ، نقاد، سیرت نگار، شاعر، مصلح، عالم اور مفکر کے روپ میں نظر آتا ہے، دینی تعلیم کو ایک نیا معنی و مفہوم اور رنگ و آہنگ دینے اسے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور دینی و دنیوی علوم کے درمیان خلیج کم کرنے کے لئے کی گئی کوشش وجدوجہد ان کی شخصیت کا ایسا روشن پہلو ہے جس سے ان کے دل و دماغ میں برپا افکار اور جذبوں کی شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے آپ نے معاشرے کے اندر تبدیلی اور اصلاح کی بنیاد عورت کی تعلیم کو بنایا، سماجی اور عملی جدوجہد کے ضمن میں ایک بڑا کارنامہ ان کی سیاسی فکر کی صورت میں سامنے آیا جس نے بیسویں صدی کی شروع کی دو دہائیوں کے دوران مسلمانوں کے سیاسی رویوں اور ترجیحات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

اصلاحی واخلاقی افکار:

شبلی کے خیال میں مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کی وجہ ان کی سیرت رسول ﷺ سے دوری اور اپنی تاریخ کی عظمت سے لاعلم ہونا، انہوں نے انسانی تہذیب کے ارتقاء میں مسلمانوں کی عطا اور خدمات کا مطالعہ کیا اور اس بات کا ادراک ہوا کہ اسلامی تاریخ کے ان کارناموں کو منظر عام پر لانا نہ صرف مسلمانوں کا اپنے آپ پر اعتماد بڑھانے بلکہ ساری دنیا کو اسلامی تاریخ کے روشن ابواب سے روشناس کرانا لازمی ہے۔

سیرۃ النبی ﷺ:

فکر اسلامی کے ارتقاء میں مولانا شبلی کی تصنیف سیرت النبی ﷺ کا حصہ سب سے زیادہ ہے وہ اپنے موضوع پر شہکار کا درجہ رکھتی ہے، یہ کہنے میں مبالغہ نہ ہو گا کہ "سیرت پر اتنی محققانہ اور جامع تصنیف کسی اور زبان

میں موجود نہیں، خود عربی میں بھی نہیں، سیرت النبی ﷺ نے مسلمانوں کا رابطہ اسوہ رسول ﷺ سے جوڑا اس کتاب پر مولانا نے فقط تاریخ، واقعہ نگاری، حصول ثواب یا ذاتی ذوق کے نقطہ نظر سے ہی کام نہیں کیا تھا بلکہ ان کی نظر میں ان کی ضرورت وقت کے علم الکلام کی حیثیت سے تھی، وہ کلمہ طیبہ کے دوسرے جز محمد رسول اللہ ﷺ کی پوری تفسیر و تشریح تھی کہ "جب اقرار نبوت جزو مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو حامل وحی اور سفیر الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق وعادات کیا تھے؟"[9]

"سیرۃ النبی ﷺ کی تصنیف سے مولانا شبلی کا اصل مقصد یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت و شخصیت سے متعلق مستشرقین یورپ کی غلط بیانیوں کا رد ابطال کیا جائے اور خاص طور پر ان مسلم نوجوانوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے، جن کے ذہن میں ذات نبوی ﷺ کے متعلق مورخین یورپ کی زہر افشانیوں سے مسموم ہو چکے ہیں۔"[10]

"یورپ کے مورخین آنحضرت محمد ﷺ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں وہ نعوذ باللہ ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آجکل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے، اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلام کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو انہیں یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کر جاتی ہیں اور لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ملک کے اندر ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو پیغمبر ﷺ کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے، جس نے اگر مجمع انسانی میں کوئی اصلاح کر دی ہے تو اس کا فرض ادا ہو گیا، اس بات سے اس کے منصب میں کوئی فرق نہیں آتا کہ اس کے دامن اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں، یہ واقعات تھے جنہوں نے مجھ کو بالآخر مجبور کیا، اور میں نے سیرت النبی ﷺ پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا[11] اس کتاب کے متعلق لکھا گیا ہے کہ یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں بلکہ اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور مختصر یہ کہ مجموعہ ضروریات دینی ودنیوی ہے۔[12]

"شبلی ایک بڑے عبقری مفکر اور منفرد عالم وادیب ہیں۔ آپ وہ مفکر ہیں جنہوں نے آنے والے دور کی جھلک دیکھ لی تھی انہوں نے مسلمانوں کو سیاسیات کے لئے متحرک کیا، اپنی تحریروں، تقریروں، نظموں اور تصانیف سے ایک نئی روشنی پیدا کی، ملت کے تن مردہ میں نئی روح پھونک دی۔ اسلامی علوم وفنون میں نئی قوت وتوانائی دوڑا دی وہ ایک پرجوش، علمی اور نتیجہ خیز کام کرنے والے انسان تھے اور آنے والے زمانے کے تقاضوں کو دیکھ رہے تھے۔"[13]

تاریخ کے علم کی ضرورت:

جب ہم شبلی اور ان کے افکار کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ:"مسلمان مغرب کی اندھادھند تقلید کر کے آگے نہیں بڑھ سکتے ،وہ یہ سمجھتے تھے کہ ماضی میں میں مسلمانوں نے یونانی علم کو اسی حد تک قبول کیا جس حد تک وہ ان کے لئے مفید تھے ،باقی حصے کو مسلم مفکرین نے دلائل کے ساتھ رد کر دیا تھا شبلی کے نزدیک کردار، نئی نسل کی ذہنی تربیت اور اسلام پر اس کے عقیدے کو اسی وقت برقرار رکھا جاسکتا ہے جب کہ وہ اسلام کی تاریخ،اور اس کی عظمت اور اس کی بنیادی فکر سے نہ صرف واقف ہو بلکہ اس پر پورااعتماد بھی رکھتی ہو، یہ مثبت نقطہ نظر تھااور شبلی نے مسلمانوں کی ترقی اور بیداری کے لئے انہیں خطوط پر کام کیا۔"[14]

تعلیمی اصلاحات:

علامہ شبلی اپنی ذات میں ایک ادارہ ہی نہیں ایک طرز فکر و نظر کے بانی و مبانی بھی تھے جو ان کے نام کی نسبت سے شبلی مکتب فکر کہلاتا ہے، شبلی کا شمار جدید ہندوستان کی ان عبقریوں میں ہوتا ہے ،وہ ہندوستانی مسلمانوں کو تعلیمی پسماندگی سے نکالنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے روایتی تعلیمی نظام میں ایسی اصلاحات کے خواہاں تھے جو انہیں دور جدید کے تقاضوں اور حالات سے ہم آہنگ کر سکیں۔مولانا جدید تعلیم کے حامی نہ تھے لیکن اس کی اہمیت وافادیت کا انھیں بخوبی اندازہ تھا،وہ انگریزی تعلیم کے زبردست حامی تھے، انگریزی تعلیم کے لئے اپنے شہر اعظم گڑھ میں سکول قائم کیا اور عزیز واقارب کو سختی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کیا ،مولانا علماء کے لئے بھی انگریزی کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے دارلعلوم ندوۃ العلماء میں انگریزی زبان کی تعلیم کا اہتمام کیا۔

میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ عربی کے طالب علموں کو انگریزی پڑھنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے ،مثلا جو لوگ فقیہ بننا چاہتے ہیں ان کو انگریزی کس کام آئے گی ؟ فرمایا عجیب بات کہتے ہو ،اگر فقہا انگریزی جانتے اور ہماری فقہ کا انگریزی میں منتقل کر سکتے تو ہدایہ وغیرہ کے انگریزوں اور غیر مسلموں کے کئے ہوئے غلط سلط ترجمے آج عدالتوں میں سند نہ قرار پاتے ۔[15]

مولانا نے علی گڑھ کالج کے طلبہ کے لئے عربی فارسی کے ساتھ ساتھ قرآن پاک اور دینیات کا بھی درس دیتے رہے اور اس سے کالج کے ماحول کے اندر ایک نئی فضا اور یک گونہ انفرادیت پیدا ہوئی۔سید صاحب لکھتے ہیں کہ :

"مولانا نے آگے چل کر کالج کے طلبہ کا قرآن پاک کا درس دینا شروع کیا اور اس کو ایسا دلچسپ بنا دیا کہ طلباء بڑی توجہ سے اس کو پڑھنے لگے اور ان میں قرآن پاک کاذوق پیدا ہونے لگا ، مولانا محمد علی مرحوم کہتے تھے کہ میرا قرآن پاک کاذوق اسی زمانے کا ہے ۔"[16]

آپ تعلیم کو ہی تربیت اخلاق کا ذریعہ بنانے پر زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ : ہمارا یہ مطلب نہیں کہ دینوی تعلیم کو روکا جائے، ہمارے نزدیک دینوی تعلیم کو اس قدر پھیلانا چاہیئے کہ بچہ بچہ تعلیم یافتہ ہو جائے لیکن ساتھ ہی ہم کو "مذہب" کی حفاظت پر بھی اپنی تمام قوت صرف کر دینی چاہیئے اس کی تدبیر اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ مذہبی تعلیم کی ایک وسیع الشان درس گاہ موجود ہو جس میں تمام مذہبی علوم نہایت تکمیل اور اہتمام کے ساتھ پڑھائے جائیں ، طلبہ کو عمدہ تربیت دی جائے ، وہ دریوزہ گری کے طریقہ سے بچائے جائیں ، ان کو ایثار نفس اور سچی قناعت وخود داری کی تعلیم دلائی جائے ، اس کے لئے انہوں نے مذہبی تعلیم کی ایک جامع حیثیات درس گاہ کی ضرورت پر زور دیا اور مسلمانوں کو متحد ہو کر کسی ایک تبلیغی مرکز کی کوشش پر آمادہ فرمایا۔[17]

یہیں مولانا نے طلباء کے اندر سیرت نبوی ﷺ سے عقیدت ومحبت پیدا کرنے کے لئے ایک مختصر رسالہ بداء الاسلام لکھا"[18] جو کالج کے نصاب میں داخل کیا گیا ، غرض مولانا نے علی گڑھ کے ماحول میں مذہبی رنگ پیدا کرنے کی پوری کوشش کی۔

خود مولانا شبلی لکھتے ہیں : مجھ کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اس نئی مذہبی زندگی کے پیدا کرنے میں میرا حصہ ہے اور اس جوش مذہبی کا برانگیختہ کرنا میری قسمت میں لکھا تھا[19]

اصلاحی نصاب تعلیم:

آپ نے ایک اصلاحی نصاب تعلیم تیار کیا جس کے مندرجہ ذیل اصول تھے۔

- قدیم نصاب میں قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ بہت کم تھا، اس لئے اصلاحی نصاب میں قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ زیادہ وسیع کیا گیا۔
- جدید نصاب میں عقائد اور کلام کی کتب شامل کی گئیں ، تاریخ اسلام کی کتب شامل نصاب کی گئیں ، علوم جدیدہ کی بعض کتب جو عربی میں ترجمہ کی گئیں انہیں بھی نصاب کا حصہ بنایا گیا، انگریزی زبان کو سیکنڈ لینگوئج کے طور پر شامل نصاب کیا گیا۔

- عربی تعلیم کے دو درجے مقرر کئے گئے ایم اے کا درجہ اور دوسرا فاضل کا درجہ مقرر کیا گیا۔

خواتین کی تعلیم:

- تعلیم کو فروغ دینے اور تعلیمی نظام کی اصلاح کے سلسلے میں شبلی کے افکار اور سرگرمیوں کا ایک اہم پہلو عورتوں کی تعلیم سے متعلق ان کے نقطہ نظر سے ظاہر ہوتا ہے، شبلی شاید اپنے زمانے کے واحد عالم دین ہیں جنہوں نے اسی شدومد اور سنجیدگی کے ساتھ مسلم عورتوں میں تعلیم کو فروغ دینے اور ان میں روشن فکری پیدا کرنے کی وکالت کی، ان کے نزدیک خواتین کو بے تعلیم رکھنا مسلمانوں کے اجتماعی وجود کے نصف حصے کو تاریکی میں رکھنے کے مترادف تھا، وہ اس معاملے میں مردوں اور عورتوں میں کسی قسم کے امتیاز کے قائل نہ تھے اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ عورتوں کے لئے علیحدہ نصاب تعلیم مرتب اور رائج کیا جائے۔[20]
- عورتوں کو اسی حد تک تعلیم دی جاسکتی ہے، جس حد تک مردوں کو، اس لئے مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ لڑکیوں کے لئے الگ کورس ہو اور لڑکوں کے لئے الگ، میرے خیال میں دونوں کا نصاب تعلیم یکساں ہونا چاہئے، جہاں میں اس بات کا زبردست حامی ہوں کہ عورتوں کو وسیع حقوق دیئے جائیں اور آج کل جو گھروں میں مثل لونڈیوں کے ہوتی ہیں اس کی اصلاح کی جائے اور عورتوں سے بطریق مساوات سلوک کیا جائے وہاں میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ ان کی پردہ شکنی ہو، یہ ہرگز قرین مصلحت نہیں۔[21]
- شبلی کا درمند دل یہ سب دیکھ کر تڑپتا(ہندوستانی مسلمان عورت کی علم سے دوری) رہا، کاش مسلمانوں میں ایسی روشن خیال تعلیم سے آراستہ، سیاسی اور ملی شعور کی حامل عورتیں ہوتیں جو قومی اور سماجی کاموں میں آگے بڑھتیں، عرب خواتین کی مانند رجز پڑھتی ہوئی تحریکوں میں حصہ لیتیں، ترکی عورتوں کی طرح رضاکاروں کی کمان ہاتھ میں لے سکتیں، جو چولھا چکی کی ذمہ داریوں اور بچے پیدا کرنے کے علاوہ زندگی کی لطیف قدروں سے آشنا ہوتیں۔[22]
- شبلی کے عورتوں کے بارے میں خیالات فکر انگیز ہیں، ان کا خیال تھا کہ عورتوں کو گھر کی چہار دیواری میں محدود ومقید کردینا یا محض جاہل بنائے رکھنا نامناسب ہے وہ چاہتے تھے کہ مردوں کی مانند عورت بھی حالات حاضرہ سے باخبر ہو، تعلیم یافتہ، مہذب وشائستہ اور تحریر وتقریر کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں، عورتوں کا چھوئی موئی اور دھان پان بنے رہنا ہی مردوں کے ہاتھوں ان پر ظلم وستم ڈھائے جانے کا سبب بنتا ہے، لہذا انہیں شیوہ آرائش جمال ترک کر کے فلسفہ حرکت وعمل پر عامل ہونا چاہیے، البتہ وہ پردے

کے قائل تھے اور مردوزن کے آزادانہ اختلاط کو ناپسند کرتے تھے، ریاست حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کے قیام (1908ء-1914ء) نے ملک میں ایک مفید تعلیمی انقلاب کا دور پیدا کیا، مولانا شبلی جس جامع الحیثیات تعلیم گاہ کا خواب ہمیشہ سے دیکھا کرتے تھے اور جس کی تعبیر کے لئے ندوۃ کی درودیوار سے سر ٹکرایا کرتے تھے ان کے خیال میں اس کے لئے یہ بہترین موقع ہاتھ آیا تھا آپ نے جامعہ عثمانیہ میں اسلامی تعلیم کا ایک نصابی خاکہ بنا کر دیا اس کے مطابق طلبہ کو تعلیم دی جاتی رہی آپ کا سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ ایسی تعلیم دی جائے جس کے ذریعے نہ صرف سرکاری دفاتر میں کام کرنے کے قابل ہو بلکہ شرعی خدمات بھی سرانجام دے سکیں، علوم دینیہ، مثلاً تفسیر، حدیث اور فقہ میں کمال رکھتے ہوں، ان کو ملک میں مذہبی عالم کی حیثیت حاصل ہو، وہ عوام میں عمدہ اخلاق اور مذہبی خیالات پھیلا سکیں اور علوم قدیمہ کے ساتھ علوم جدیدہ سے بھی واقف ہوں تاکہ جدید تعلیم یافتہ گروہ پر بھی ان کا اثر پڑ سکے، اس وقت جو جدید تعلیم ہندوستان میں جاری اس میں ہماری مذہبی ضروریات اور قومی خصوصیات کا کوئی انتظام نہیں، اس میں نہ مذہبی تعلیم ہے نہ قومی تاریخ سے کچھ واقفیت ہو سکتی ہے نہ اسلامی اخلاق اور مسائل اخلاق کا علم ہو سکتا ہے، اس بی اے یا ایم اے ہونے کے بعد بھی ان چیزوں سے متعلق ایک شخص کی حیثیت ایک عام آدمی سے زیادہ نہیں ہو سکتی اس لئے آپ کے خیال میں ایسا نصاب ہو جو دینی اور دنیاوی علوم کا مجموعہ ہو اور اس کو حاصل کرنے والوں کی متوازن شخصیت پروان چڑھ سکے۔

اس دور کے معاشرے پر آپ کی اصلاحی کاوشوں کے اثرات نظر آتے ہیں، آپ نے اپنی تصنیفات کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں حب رسول ﷺ پیدا کی، اسلامی تاریخ سے آگاہی دی، اورامت مسلمہ کے اندر اخلاقی اصلاح کا جذبہ پیدا کیا، اور لوگوں کے اندر اس بات کا شعور پیدا کیا کہ وہ ایسی تعلیم حاصل کریں جو دین سے غافل نہ کرے، دور جدید کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو اور اسلامی تہذیب وتمدن کو اپنائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ملحد معاشرے کے اندر جذب ہو جائیں.

مصادرومراجع:

[1] سلیمان ندوی، سید، حیات شبلی، معارف پریس اعظم گڑھ 1983ء، ص68

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 11/650

[33] صباح الدین عبدالرحمن، سید، مولانا شبلی پر ایک نظر، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 2013ء، ص6؛ مہدی افادی ، افادات مہدی، معارف پریس، اعظم گڑھ 1923ء، ص45

[4]مولانا شبلی پر ایک نظر، ص6؛ افادات مہدی، ص45

[5]اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 11/652

[6]ایضاً

[7]برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ص122، 123

[8] شمیم طارق، شبلی نعمانی کی عصری معنویت، بشمولہ ،علامہ شبلی نعمانی، مرتب ،ڈاکٹر شباب الدین ،اعظم گڑھ یو پی ، 2008ء، ص 131

[9]حیات شبلی، 51

[10]صدیقی، ظفر احمد، ڈاکٹر، مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، بیت الحکمت لاہور، 2005ء، ص46

[11]سیرت النبی ﷺ، 1/7

[12]ایضاً

[13]اقبال کی شبلی سے ملاقات اور استفادہ کا ثبوت تو نہیں ملتا مگر دوسرے اکابر مراسلت کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندوی سے ان کی خوب مراسلت خوب ہوتی تھی اس مراسلت سے انہوں نے خوب علمی استفادہ کیا، وہ مولانا سید سلیمان ندوی کو آج "ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد کہا کرتے تھے، ملاحظہ ہو: فلاحی، عبید اللہ فہد، تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں، ہندوستان پبلیکیشنز، دہلی، 1996ء، ص237

[14] جمیل جالبی، معاصر ادب، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1991ء، ص156

[15] الاعظمی، محمد الیاس، ڈاکٹر، عظمت کے نشان، ادارہ پبلی کیشنز اعظم گڑھ، 2005ء، ص35

[16]حیات شبلی، ص149

[17]حیات شبلی، ص150

[18]خلیق انجم، شبلی کی علمی اور ادبی خدمات، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، 1996ء، ص10

[19]سلیمان ندوی، سید، مکاتیب شبلی، معارف اعظم گڑھ، 1966ء، 1/47

[20]اختر الواسع، فرحت احساس، ماضی آگاہ مستقبل نگاہ شبلی نعمانی، البلاگ پبلی کیشنز نئی دہلی، 2009ء، ص13

[21]شبلی نعمانی، خطبات شبلی، مرتب، سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، 1936ء، ص184

[22]شہاب الدین دسنوی، شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں، انجمن ترقی اردو ہند، 1987ء، ص31